69

ہر گھڑی میں صراطِ مستقیم طلب کرو

(فرمودہ ۷- اکتوبر ۱۹۳۲ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

مذہب کی اصل غرض جیسا کہ تمام ان لوگوں کا اس پر اتفاق ہے جو خدا رسیدہ ہوئے ہیں تَعَلُّقْ بِاللّٰہِ اور شَفْقَتْ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ ہے۔ یعنی ایک طرف انسان کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو اور دوسری طرف اس کا سلوک خدا تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ اس قسم کا ہو کہ رحم، عفو، درگزر اور شفقت کا پہلو غالب رہے۔ یہ دونوں چیزیں بظاہر دو مختصر فقروں میں آگئی ہیں لیکن حقیقتاً یہ اتنی مختصر نہیں بلکہ تمام انسانی اعمال انہیں کی تفسیر ہیں۔ خواہ وہ اعمال بُرے رنگ کے ہوں یا اچھے رنگ کے۔ دیکھو انسان جو کچھ بھی سوچتا ہے وہ یا مخلوق سے تعلق رکھتا ہو گا یا خالق سے۔ اب اگر اس کا خیال غلط راستہ پر ہو گا تو بھی انہی دو فقروں کی توضیح اور تفسیر ہو گی گو مخالفانہ رنگ میں اور اگر اس کا خیال غلط طریق پر نہیں بلکہ اچھے امور کی طرف ہے تو بھی انہی کی توضیح و تفسیر ہو گی لیکن موافقانہ اور اچھے رنگ میں۔ یہی حال انسانی اعمال کا ہے کہ یا تو وہ خالق سے تعلق رکھتے ہوں گے یا مخلوق سے۔ اور پھر یا نیک اور اچھے ہوں گے یا خراب اور بُرے۔ پھر انسان کے اعمال میں اتنی وسعت پائی جاتی ہے کہ دنیا کے تمام علوم اور اس کی تمام کتابیں ان پر حاوی نہیں ہو سکتیں لیکن اپنے اعمال افعال اور خیالات کی اتنی وسعت کے باوجود انسان ایک بات بھی ایسی نہیں نکال سکا جسے یقینی کہا جاسکے۔ دوسری چیزوں کو تو رہنے دو وہ خود اپنی ذات کے متعلق بھی کسی یقینی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکا سوائے ان باتوں کے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے بتلایا کہ یہ حقیقی اور یقینی ہیں۔ لیکن وہ امور بھی سچے اور یقینی صرف مؤمن کے لئے ہی ہیں کافر اور خدا کے منکر کے لئے وہ بھی نہیں۔

لوگ کس وثوق اور یقین سے کہا کرتے ہیں کہ یہ جو سورج چڑھ کر آیا ہے کون بے وقوف اسکا انکار کر سکتا ہے لیکن سائنس کی موجودہ تحقیقات نے ثابت کردیا ہے کہ روشنیاں بھی فاصلہ طے کرنے میں وقت لیتی ہیں۔ سو اس نظریہ کے مطابق نتیجہ یہ نکلا کہ جب سورج ہمیں چڑھ رہا نظر آتا ہے وہ چڑھ نہیں رہا ہوتا بلکہ چڑھ چکا ہوتا ہے اور جس وقت غروب ہو رہا دکھائی دیتا ہے وہ غروب نہیں ہو رہا ہوتا بلکہ غروب ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح اب نئی تحقیقاتوں سے معلوم ہوا ہے کہ روشنیاں ٹیڑھی چلتی ہیں۔ پہلے تو صرف یہی معلوم ہوا تھا کہ ہم وقت کا صحیح اور درست اندازہ نہیں لگا سکتے لیکن روشنیوں کے ٹیڑھے چلنے کی وجہ سے ہم یقینی طور پر یہ بھی معلوم نہیں کرسکتے کہ اس کا مقام کہاں ہے۔ غرض ان اصول کے پیش نظر ہم سورج کے چڑھنے کا نہ تو وقت مقرر کرسکتے ہیں نہ اس کا مقام و جگہ۔ اور جب سورج ایسی بدیہی چیز کے متعلق ہم درست اور صحیح فیصلہ نہیں کرسکتے تو اور کون سی چیز ہے جس کو ہم یقینی اور قطعی کہہ سکیں۔ پھر نہ صرف یہ بلکہ اور بھی تمام شبہات جو سائنس کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں وہ ہمیں اسی طرف لے جارہے ہیں کہ یقینی بات سوائے خدا کی بتائی ہوئی کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جب بھی سائنس نے ترقی کی ہے دنیا میں سَفُسْطَہ پیدا ہوا ہے۔ لوگوں کے قلوب سے اعتماد و یقین کم ہو تا گیا ہے۔ اور یہ بات زیادہ وضاحت سے ثابت ہوتی چلی گئی ہے کہ حقیقی اور تحقیقی چیز کوئی ہے ہی نہیں۔ اور یہ اس حقیقت کے باوجود ہے کہ انسان کی جستجو اتنی وسیع ہوتی چلی جاتی ہے جس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ انسان کیا ہے، کس طرح پیدا ہوا، اس کے فرائض و وظائف کیا ہیں، وہ آزاد ہے یا نہیں غرض ہزاروں سوالات ہیں جو ابھی تک حل شدہ نہیں۔ ایک بکری کے متعلق ہم ہر روز یہ دیکھتے ہیں کہ وہ بندھی ہوئی ہے یا نہیں۔ ایک بیل کے متعلق ہم روزانہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ بندھا ہوا ہے یا آزاد ہے۔ ایک بھینس کے متعلق دیکھتے ہیں کہ اس وقت بندھی ہوئی ہے یا کھلی۔ لیکن اپنی ذات کے متعلق انسان فیصلہ نہیں کرسکا کہ وہ مختار ہے یا مجبور۔ ایسے وقت میں اگر اس دنیا سے باہر کی کوئی ہستی آکر لوگوں کو اس بحث میں مشغول پائے کہ آیا انسان خود مختار ہے یا مجبور تو وہ یہی کہے گی کہ یہ لوگ کتنے بے وقوف ہیں اپنے متعلق اتنا بھی نہیں جانتے کہ آزاد ہیں یا نہیں؟

غرض انسانی اعمال کی وسعت اس قدر ہے کہ کوئی ایک شخص کے اعمال کا بھی احاطہ نہیں کرسکتا۔ اور یہ اتنا بھاری کام ہے کہ اس کی عظمت کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے۔ پھر بھی ہم ان سب اعمال کو ان دو فقروں میں ادا کرتے ہیں تَعَلُّقْ بِاللّٰہِ اور شَفْقَتْ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ۔ تعلق باللہ تو

بڑی بات ہے شَفْقَتْ عَلَی النَّاسِ کو ہی لے لو- اور اسی کی تشریح کرنے بیٹھ جاؤ تو کبھی ختم نہ ہوگی- اول تو شفقت کی کوئی قطعی تعریف ہی بڑی مشکل ہے- مثال کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں دیکھو افریقہ کے باشندے اپنے بچوں کے چہروں کو گودتے ہیں اور اس طرح انہیں خوبصورت بناتے ہیں- اس وقت ایشیاء یا یورپ کا کوئی آدمی دیکھے تو سمجھتا ہے کہ یہ ماں باپ کس قدر ظالم اور غیر شفیق ہیں- انہیں اپنے بچہ پر کوئی رحم نہیں آتا اور نہ صرف یہ کہ اسے تکلیف میں ڈال رہے ہیں بلکہ اسے بدشکل اور کریہہ منظر بھی بنا رہے ہیں- اب یہ ایک ہی کام ہے لیکن ایک کے نزدیک شفقت ہے اور دوسرے کے نزدیک ظلم- یا اسی طرح مسلمان اپنے بچوں کو گوشت کھلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا اچھا کام کیا کہ انہیں اعلیٰ اور عمدہ غذا دی- لیکن یہ شفقت اور یہ مہربانی ایک ہندو کے نزدیک شفقت اور مہربانی نہیں بلکہ پاپ گناہ اور ظلم ہے- غرض شفقت کی کوئی قطعی تعریف ہی نہیں- ممکن ہے بعض باتوں میں دنیا کا اتفاق ہو بھی جائے- مثلاً کسی کو مار ڈالنے یا قتل کر دینے کو سب ظلم اور شفقت کے منافی قرار دیں گے لیکن پھر اس کے مواقع پر اختلاف ہو جائے گا-

پچھلے زمانہ میں ٹھگوں کا ایک گروہ ہوتا تھا- ہمارے زمانہ میں تو ٹھگ کا اور مفہوم ہے لیکن پہلے یہ ایک مذہبی فرقہ ہوتا تھا جس کا عقیدہ یہ تھا کہ جو انسان بھی ملے اسے قتل کر دینا چاہئے اور وہ اپنے پاس رسّی یا کوئی اور ایسی چیز رکھتے تھے جس سے انسانی جان لی جاسکے اور اپنی تائید میں وہ یہ دلیل پیش کیا کرتے تھے کہ دنیا تکلیفوں، دکھوں اور مصیبتوں کی جگہ ہے اور دنیا میں کوئی بھی سُکھی نہیں- جب یہ دنیا دارالمحن ہے تو کسی کو اس سے نجات دینا یقیناً ثواب کا کام ہوا- وہ کہتے تھے چونکہ عام طور پر انسان بزدل ہے اس لئے وہ خودکشی کر کے دنیا سے نجات پانے سے ڈرتا ہے اس لئے ہم اسے قتل کر کے دنیا کی مصیبتوں سے آرام میں پہنچا دیتے ہیں اور اس طرح ہمارا یہ کام ثواب کا کام ہے- جب لوگ ان سے پوچھتے کہ تم دوسروں کو تو مارتے ہو خود کیوں نہیں خودکشی کر لیتے تو کہتے اگر ہم بھی خودکشی کر لیں تو لوگوں کو دکھوں سے نکالنے والا کون رہے- غرض قتل نفس پر اتفاق ہوا تھا لیکن پھر حق اور غیر حق کی بحث ہو گئی اور اس بات کا فیصلہ کہ فلاں قتل حق ہے یا ناحق خود بڑی تفصیلات کو چاہتا ہے- یہ تو شَفْقَتْ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ کی تفصیل کی کیفیت تھی- باقی رہا تعلق باللہ تو دنیا کے تمام مذاہب جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ میں تَعَلُّقْ بِاللّٰہِ کراتا ہوں- ان کی فہرست ہی پڑھنے لگو تو شاید ختم نہ ہو- غرض انسانی اعمال اور ان کے متعلقات غیر محدود وسعت

رکھتے ہیں لیکن اس غیر محدود وسعت کے باوجود کسی ایک چیز کے متعلق بھی انسان کو یقینی اور قطعی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ حقیقی راہنمائی صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آسکتی ہے اور اس نے یہ راہنمائی اپنے کلام قرآن مجید کے ذریعہ دنیا میں بھیج دی ہے لیکن محض سیدھا راستہ انسان کو منزل مقصود پر نہیں پہنچا سکتا بلکہ اس کے لئے ایک اور طاقت اور محرک کی ضرورت ہے جو انسان کو اس راہ پر چلائے اور ہدایت کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے جب خارجی محرک اندرونی محرک سے مل جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہم بعض کپڑوں کو سفید کہتے ہیں لیکن درحقیقت کپڑا سفید نہیں ہوتا بلکہ کپڑے کی ایک حالت دماغ کی ایک حالت سے مل کر سفیدی پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح کوئی چیز سرخ نہیں بلکہ کسی چیز کی ایک خاص حالت دماغ کی ایک خاص حالت سے مل کر سرخی پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح زردی، سبزی غرض ہر رنگ کی یہی حالت ہے۔ یہی کلام الٰہی کا حال ہے۔ وہ راہ ہدایت تو ہوتا ہے لیکن اکیلا راہنما نہیں ہوتا بلکہ انسانی فطرت کے ساتھ مل کر راہنمائی کا کام کرتا ہے۔ گویا حقیقی راہنمائی خدا تعالیٰ کے کلام اور فطرت انسانی کے ملنے سے ہوتی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے راہ ہدایت کے حصول کے لئے دعا سکھلائی ہے۔ نادان اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان صدیوں سے یہ دعا کر رہے ہیں ابھی تک انہیں صراط مستقیم نہیں ملا حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ انسان ہر لحہ اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے صراط مستقیم کا محتاج ہے۔ اور ایک سیکنڈ چھوڑ سیکنڈ کے لاکھویں کروڑویں بلکہ اَن گنت حصہ کے لئے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہی اصل مقام ہے جس پر مؤمن کو قائم ہونا چاہئے۔ اگر وہ اس مقام پر کھڑا ہو جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم مانگتا رہے تَعَلُّقْ بِاللّٰہِ کے لئے اور شَفْقَتْ عَلَی النَّاسِ کی توفیق پانے کے واسطے، اور پھر خدا اس کا ہاتھ پکڑ لے تو خواہ وہ آگے کی راہ سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ راہ کے مالک نے اسکا ہاتھ تھام لیا ہے۔ اس دنیا میں بھی دیکھ لو اگر کسی نابینا کا کوئی بینا اور واقف آدمی ہاتھ پکڑ لے تو وہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ایک بینا راستہ سے ناواقف منزل مقصود کو نہ پاسکے اور راستہ ہی میں بھٹکتا پھرے۔ پس اصل مقام یہی ہے کہ انسان ہر وقت ہر لحہ اور ہر گھڑی صِرَاطِ مُسْتَقِیْم کا طالب رہے۔ کتنے نادان ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اب ہمیں ہدایت کی ضرورت نہیں۔ ایک دفعہ جو مل چکی ہے وہی کافی ہے۔ حالانکہ انسان الٰہی ہدایت سے ایک لحہ کے لئے بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ ہاں الٰہی ہدایت

دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جسے فرشتہ نبی لے کر آتا ہے اور ایک وہ جو انسان نبی کے واسطہ سے آتی ہے۔ فرشتہ نبی کی ہدایت بہت مخفی ہوتی ہے۔ اور وہ لوگ جن کی عقلیں موٹی ہوتی ہیں باریک اور نازک احساسات نہیں رکھتے' وہ اسے نہیں سمجھ سکتے۔ وہ صرف روحانی لوگوں کی جماعت ہی کو سمجھ آسکتی ہے اس لئے کچھ وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ انسان نبی کو ہدایت دے کر بھیجتا ہے۔ اس کے آنے سے نوع انسان میں ایک ہیجان اور تلاطم برپا ہو جاتا ہے اور ہر شخص اسے سمجھ سکتا ہے۔ پس نبوت کا سلسلہ انسانوں کے ہر طبقہ کی ہدایت کے لئے ضروری ہے اور جب تک یہ سلسلہ قائم ہے انسان تَعَلُّقْ بِاللّٰہِ اور شَفْقَتْ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ کے وسیع فرائض کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ نہیں تو انسان عاجز ہے' وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اپنے وسیع اعمال کو سیدھے راہ پر چلانا اس کے بس کی بات نہیں اور اس کے بغیر تمام صداقتیں باطل' تمام علوم جہالتیں' تمام روشنیاں ظلمات اور تمام ہدایتیں ضلالتیں ہیں۔

(الفضل ۸۔ نومبر ۱۹۳۲ء)